Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

MAHAR M.
MAZHAR KATHIA
Official Chanel
Youtube.com

فہمیدہ ریاض

آدمی کی زندگی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

مہر آن لائن کمپوزنگ سنٹر چشتیاں سے بی ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی تھیسز صرف تین دن میں کمپوز کروائیں۔ ۲۴ گھنٹے سہولت

"کتاب خزانہ" کی دُنیا میں خوش آمدید۔

Mahar Online Public Library

خود بھی شمولیت اختیار کریں اور دوستوں سے لنک شئیر کریں۔

اپنے قیمتی ڈاکومنٹس مناسب ریٹس پر ہمیشہ کے لیے محفوظ کروائیں اور جب چاہیں واپس لیں۔

اپنے ریسرچ ٹاپک کے متعلق ریختہ ویب سے کتب ڈونلوڈ کروانے اور سابقہ تھیسز حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔

مہر محمد مظہر کاٹھیا (ایم اے اُردو)

کامیابی کے (۴) سال

اب آپ کو تھیسز کمپوزنگ کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ گھر بیٹھے اپنا سنوپسز اور تھیسز پروفیشنل انداز میں کمپوز کروائیں۔ نیز مقالے کی کمپوزنگ مع پروف ریڈنگ کروانے کی سہولت۔

وٹس ایپ نمبر: 0303-761-96-93

تمام کتابیں ریختہ ویب سائٹ سے ڈون لوڈ کی جاتی ہیں۔ کسی بھی کتاب کو سکین یا پی ڈی ایف نہیں کیا جاتا۔ دستیاب کتب خریدنے کی عادت ڈالیں۔

اب تک وٹس ایپ گروپ کی تعداد پانچ، آئیے آپ بھی ہمارے وٹس ایپ گروپ "کتاب خزانہ" کا حصہ بنیں۔

Total PDF: 77000

are Available.

2021ء تک ممبران کی تعداد تقریباً: 1250

ریختہ ویب سائٹ سے کسی بھی کتاب کا پرنٹ حاصل کریں۔ ہوم ڈیلیوری فری

ایم فل اور پی ایچ ڈی تھیسز کے متعلق رہ نمائی اور کمپوزنگ کے لیے رابطہ کریں۔

فیس بک، ٹیلی گرام "کتاب خزانہ" گروپ لنک سے تمام کتابیں ڈون لوڈ کریں:

www.facebook.com/groups/537746779706694

https://t.me/joinchat/YMfAj2G2OgA1OGVk

Mazhar03037619693@gmail.com

Twitter.com/@mazhar1kathia

سکالر حضرات اپنے موضوع سے متعلق بنیادی اور ثانوی کتب کے لیے آگاہ کریں۔ تلاش کرنے کی مکمل کوشش کی جائے گی۔

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آدمی کی زندگی

نظمیں

فہمیدہ ریاض

کتب خانہ
پیپربیک سیریز

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آدمی کی زندگی

(نظمیں)

فہمیدہ ریاض

پہلی اشاعت: ۱۹۹۹

کتب خانہ پیپر بیک سیریز
زیرِ اہتمام: آج کی کتابیں

طباعت: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، کراچی

سٹی پریس بک شاپ

316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی 74400
فون: 0623 565 (21-92)
ای میل: aaj@digicom.net.pk

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ترتیب

انتساب	۹
اس شہر میں	۱۱
ایک زنِ خانہ بدوش	۱۳
ناشکیبائی نہیں	۱۵
آئینہ	۱۷
یہ جو تنہائی	۱۹
اک سحر میں	۲۱
مجسمہ	۲۲
اک مچھوے کا جال	۲۴
یہ عشق نہ تھا آساں	۲۶
دل و شاعر	۲۸
داروغۂ زنداں	۳۱
خاکم بدہن	۳۲
سِول سرونٹ	۳۴
مردمکِ چشمِ من	۳۵
راز	۳۹
حساب کتاب	۴۰

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سسی	۴۲
کیا کارِ لائف؟	۴۳
کچھ دیے غم آدمی کے	۴۴
حبیب جالب صاحب سے	۴۶
ورلڈ بینک	۴۷
سخن ہمارے	۴۹
اک خزانہ	۵۱
فاصلوں میں خواب	۵۳
آدمی کی زندگی	۵۵
مکمل	۸۰
بارش میں	۸۱
سمندر کے لیے تین نظمیں	۸۵
ناقابلِ یقین	۹۱
زلیخا کا خواب	۹۵

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ایک بوسہ شعلۂ لرزاں پہ ثبت ۹۷

لوری ۹۸

زوجین ۱۰۱

کوتوال بیٹھا ہے (۲) ۱۱۵

حاشیہ ۱۲۰

آواگون ۱۲۲

انقلابی عورت ۱۲۴

سبب ۱۲۶

فروغ فرخ زاد سے ۱۲۸

نینا عزیز ۱۳۱

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

انتساب

جھیل پر چاندنی

ہاں کبھی تھی مری جھیل پر چاندنی
کی طرح زندگی
اور کبھی دھوپ تھی
زندگی جو کہ پل پل گزرتی رہی
میرے اندر وہ شاید اترتی رہی
میرے اندر ہی ہو گی کہیں پر پڑی
ڈھونڈھ لوں گی اگر مجھ کو فرصت ملی
آخری شام کو

اس میں پیہم چمکتا ہوا ایک پل
روز آتا ہے یوں بھی تو مجھ کو نظر
وہ ہو تم... وِیرتا!
مسکراتی ہوں میں
شکریہ، زندگی!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اس شہر میں

اس شہر میں، مَیں اجنبی یوں تو نہ تھی میرے خدا
اس کی زمیں، اس کے فلک، اس کی ہَوا کو کیا ہوا؟
پہچان میں آتا نہیں، پہچان بھی پاتا نہیں مجھ کو کوئی
بدلا ہوا سارا سماں
ہے روشنی اتنی مگر کچھ بھی نظر آتا نہیں
گھر تھے یہاں
رہتے تھے جن میں کچھ مکیں
اک پیڑ تھا اِس جا کھڑا
جھُولا پڑا تھا ڈال پر
اک دوست رہتا تھا یہاں
کیوں مِٹ گئے سارے نشاں؟
اب تو فقط ہر موڑ پر، ہر گام پر
بازا ہے، بازار ہے، بازار ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

بازار میں ہر روز عید
سستی فروخت، فوری خرید
میلے دکاں داروں کے ہیں
اشیا کا جوبن ہے عیاں
چھڑکاؤ ان کے صحن میں، خوشبو لٹاتا موگرا
پھر شور اٹھا ناگہاں
لو لڑ پڑے گاہک نئے
خنجر چھری پستول نکلے، بم پھٹا، پھیلا دھواں
دوڑا پولس کا آدمی، سیٹی بجی
بازار کے اوپر تنا ہے آسماں نیلم جڑا
ابھری سمندر سے ہوا، نکلا ہے تارا شام کا
اور چاند ہے پیلا پڑا
بازار کے اندر مگر فرصت کسے، دیکھے ادھر
ساگر کے تٹ تک چھا گیا، سانسوں کی حد تک آگیا
جو ہر طرف بازار ہے
بازار ہے، بازار ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ایک زنِ خانہ بدوش

تم نے دیکھی ہے کبھی ایک زنِ خانہ بدوش
جس کے خیمے سے پرے رات کی تاریکی میں
گرسنہ بھیڑیے غرّاتے ہیں
دور سے آتی ہے جب اس کے لہو کی خوشبو
سنسناتی ہیں درندوں کی حِسیں
اور دانتوں میں کسک ہوتی ہے
کہ کریں اس کا بدن صد پارہ

اپنے خیمے میں سمٹ کر عورت
رات آنکھوں میں بِتا دیتی ہے
کبھی کرتی ہے الاؤ روشن
بھیڑیے دور بھگانے کے لیے
کبھی کرتی ہے خیال

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

تیز نوکیلا جو اوزار کہیں مل جائے
تو بنا لے ہتھیار
اس کے خیمے میں بھلا کیا ہو گا
ٹوٹے پھوٹے ہوئے برتن دو چار
دل کے بہلانے کو شاید یہ خیال آتے ہیں
اس کو معلوم ہے شاید نہ سحر ہو پائے
سوتے بچوں پہ جمائے نظریں
کان آہٹ پہ دھرے بیٹھی ہے
ہاں دھیان اس کا جو بٹ جائے کبھی
گنگناتی ہے کوئی بسرا گیت
کسی بنجارے کا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ناشکیبائی نہیں

مُہر لگی کس لیے تیرے زرِ سرخ پر
مہر بر لب
مہر بر جاں کس لیے

کھول اپنا روزنِ جاں مَیں ہوئی بے اختیار
روشنی میں ہوں
مجھے صبر نہیں اس لیے
دیکھنے دے ایک بار
نقش تیری پُتلیوں میں اتنا بدپیکر نہ تھا
نقش میرا
جس کی سنتی ہوں پکار
تیرے زرِ سرخ کی جستجو میں رَس ہے یہ
ناشکیبائی نہیں، روشنی کی حِس ہے یہ

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

مہر بر لب

مہر بر جاں

مجھ میں تو پیوند ہو، نور کا تیرے کمال

اب تو اپنا آئنہ غم کے دھوئیں سے نکال

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آئینہ

کس حرص و ہوس کی آندھی نے
آئینہ چکنا چور کیا

اس میں تو ہمارا چہرہ تھا
کیوں اس کو لہولہان کیا
تم کون نگر کے کھلاڑی ہو
تم کیوں یہ شکنجہ کستے ہو
یہ خلق کے دل کا آہو ہے
یہ اپنے کل کا بالک ہے
کیا تم کو اچھا لگتا ہے
اس بالک کا زخمی چہرہ
ان گلیوں کی اکھڑی سانسیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اس آہو کو رم کرنے دو
اس بالک کو ہنس لینے دو
ان کلیوں کو بس لینے دو

اک کانچ کے دل کو توڑ دیا
جس روز نیا اعلان کیا
یہ گھر ہے ہمارا یا ہم نے
تعمیر کوئی زندان کیا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

یہ جو تنہائی

یہ جو تنہائی ہے شاید مری تنہائی نہ ہو

گونجتا ہو نہ سماعت میں سکوت
اور شب و روز کی لاش
میری دہلیز پہ ایام نے دفنائی نہ ہو

ان گنت پھول کہیں کھلتے ہوں
اک شجر مولسری کا ہو کہیں جس کے تلے
یار اغیار گلے ملتے ہوں
آن پہنچے ہوں خوشی کے موسم
راہ تکتے ہوں مری
اور مجھ تک کسی باعث یہ خبر آئی نہ ہو

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

ہو کے خوش ہنستے ہوں احباب تمام
بھیجتے ہوں مجھے کب سے پیغام
ڈھونڈتے ہوں مجھے بے تابانہ
راہ تکتے ہوں مری
اور مجھ تک کسی باعث یہ خبر آئی نہ ہو

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اک سحر مَیں

اک سحر مَیں یہ کنارا چھوڑ دوں گی

مجھ سے کہتا ہے بہاؤ
ختم ہو گا یہ تناؤ
کھینچتی رہتی ہوں ڈورے بادباں کے رات دن
ان کو اک دن توڑ دوں گی
دھار پر پانی کی ناؤ چھوڑ دوں گی

تا ر میں پانی بہے گا اور ہو گا
آسماں پر صبح کا مدھم ستارا
اک سحر مَیں چھوڑ دوں گی یہ کنارا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

مجسمہ

مجسمہ گرا دیا
مگر یہ داستاں ابھی تمام تو نہیں ہوئی

کئی ورق سفید ہیں
لکھے گا جن پہ آدمی
اک اور بابِ جستجو
کہ حسن کی تلاش میں
کہ منصفی کی آس میں
پھری ہے خلق کو بہ کو

دکاں میں کتنا مال ہے
دکاں میں دلبری نہیں
دکاں میں منصفی نہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ابھی پہر ڈھلا نہیں
ابھی رواں ہے کارواں
دلوں میں نصب ہیں نشاں
مجسمہ گرانگر
زمیں پہ زندگی دکاں کے نام تو نہیں ہوئی
ہماری داستاں ابھی تمام تو نہیں ہوئی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اک مچھوے کا جال

نیلی جھاگ بھری لہروں میں
ہولے ہولے ڈوب رہا ہے دل کا برنجی تھال

اک مُورت کو توڑ رہے ہیں جوش میں بپھرے لوگ
ساحل پر اڑتے پھرتے ہیں کچھ پتے پامال
کئی بھکاری راہ میں بیٹھے پھیلائے کشکول
کئی دکانوں میں رکھا ہے بہت بدیسی مال

اک ننگا بے ہنگم لڑکا
جھوٹا دونا چاٹ چکا ہے
لہروں پر پتھر برساتا
اب اکتا کر کھیل رہا ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

پانی میں مٹتی بنتی ہے مُورت کی تصویر
لہر لہر میں ٹوٹ رہے ہیں جیسے کئی سوال
تیز ہوا میں دیکھو کیا ہے
جھاگ بھری لہروں کے اوپر
ناگ کے پھن سا لہراتا ہے
اک مچھوے کا جال

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

یہ عشق نہ تھا آساں

یہ عشق نہ تھا آساں
اے دل کبھی سوچا تھا
اک آگ کا دریا ہے
اور ڈوب کے جانا ہے
اور وقت وہ آنا ہے
بس آگ دکھائی دے
ساحل نہ نظر آئے
چھوٹے سے ترے بچ کی
بے نام مسافت کو
منزل نہ نظر آئے
جب آس نہ ہو کوئی
اور پاس نہ ہو کوئی
لکڑی کی طرح جس دم

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

جلتا ہو بدن تیرا
کیا پاس ترے ہے کچھ
وہ شے کہ نہ جل پائے
جو بچ کے نکل پائے
آنسو سے بھی ہلکی ہو
اک نور کی جھلکی ہو
سو تو یہی، اے دل، ہے
یہ عشق جو مشکل ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

دل و شاعر

(ایک مکالمہ)

شاعر:

کیوں بھئی،
تجھے اب کیا ہے ہُوا؟
کیوں ڈوبا جاتا ہے اے دل؟
کیوں جینا کیا مرا مشکل؟
تُو جن باتوں پر روتا ہے،
کھول آنکھ، نظر کر چار طرف،
اُن کا تو کسی کو دھیان نہیں،
کیوں چین تجھے اک آن نہیں؟

دل:

یہ شاعر جو کہلاتے ہیں
جو یوں ہی روتے گاتے ہیں
سب خلقت کے مزدور ہیں یہ

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

جو بوجھا لوگ اٹھا نہ سکیں
یہ اپنے سر لے لیتے ہیں
ہاں شام ڈھلے، اک نیم تلے،
مَیلے پلّو کی کھول گرہ،
غم ڈھونے والے دھرتی کا
جب اپنی اُجرت گِنتے ہیں
کیا جَھن جَھن روپہلے سکّے
ان کے دامن سے ڈھلتے ہیں
ہو جاتی ہے دَھنوان زمیں
اِس دَھن کا دُوجا جوڑ نہیں
مَت سمجھ کہ دل دیوانہ ہے
یہ شاید کوئی خزانہ ہے!

شاعر: (بال نوچ کر)

اب میں اتنی نادان نہیں!
میں کب تک دوں گی ساتھ ترا
یہ کہنا کچھ آسان نہیں
دن ڈوبا، بدلی سب دنیا
لیکن تُو وہی پرانا ہے
مَیں کچھ بھی نہ کہنا چاہتی ہوں
آرام سے رہنا چاہتی ہوں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

دل: (ہنس کر)

اچھا، پھر ہم بھی دیکھیں گے!
فی الحال تو تجھ میں ڈیرا ہے
یہ ہاڑ ترے اور ماس ترا
ان میں ہی مرا بسیرا ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

داروغۂ زنداں

داروغۂ زنداں عریاں ہیں
لیکن ان کو کچھ باک نہیں
یہ کہہ کے تبسم کرتے ہیں
جو خلعت ہم نے پہنی ہے
اس خلعت کا اعلیٰ ریشم
کم یاب و گراں مایہ ریشم
عامی کو نظر آئے کیوں کر
جب اس کی بصارت پاک نہیں

زندانوں کی تاریکی میں
یوں بھی ہوتا ہے کبھی کبھی
اک شوخ کرن در آتی ہے
اور کھل کھل ہنستی جاتی ہے
کیا کیا منظر دکھلاتی ہے!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

خاکم بدہن

میں عازمِ مے خانہ تھی کل رات کہ دیکھا
اک کوچۂ پُرشور میں اصحابِ طریقت
تھے دست و گریباں
خاکم بدہن، پیچ عماموں کے کھلے تھے
فتووں کی وہ بوچھاڑ کہ طبقات تھے لرزاں
دستانِ مبارک میں تھیں ریشانِ مبارک
مُوہائے مبارک تھے فضاؤں میں پریشاں
کہتے تھے وہ باہم کہ حریفانِ سیہ رُو
کفار ہیں بدخُو
زندیق ہیں، ملعون ہیں بنتے ہیں مسلماں!

ہاتف نے کہا رو کے کہ اے ربِّ سماوات!
لاریب سراسر ہیں بجا دونوں کے فتوات

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

خلقت ہے بہت ان کے عذابوں سے ہراساں
اب ان کی ہوں اموات!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سِول سرونٹ

اپنی اپنی زندگی یہ لوگ پوری کر چلے
اور کسی نے ان سے یہ پوچھا نہیں کیوں کر جیے
اپنی اپنی پالکی میں سیرِ گلشن کو گئے
اور واپس آ گئے
گھر بنائے تین چار
اور تصرف میں رکھی دفتر کی کار
اس عمل میں ہو گیا ٹھنڈا مزاج
اس پہ اتنا کام کاج
سر پہ یہ کانٹوں کا تاج
تار و پودِ ہست و بود
سبز بھاجی کی طرح بنتا گیا سارا وجود
گھومتا ہے چند گز کے قطر میں کل راج پاٹ
افسری میں عمر بھر
مسکراتے مسکراتے ہو گئے چہرے سپاٹ

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

مردمکِ چشمِ من

مردمکِ چشمِ من!
آ مری انگشت پکڑ
آ کہ چلیں سیر کو
فصلِ بہاراں ہے، تُو دیدِ بہاراں کر

یہ ہے مرے دل کی زمیں
کس قدر شاداب و حسیں
محرمِ مادر بسرو چشم یاں کی سیر کر
ساعتِ چند پیشتر
آئی تھی آندھی یہاں
ہر طرف غبار تھا
آیا پھر سیلابِ اشک
مردمکِ چشمِ من

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

جس کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر
دیکھتا ہے میری سمت
میں نے تھا کھودا اسے
پا نہ سکی چشمۂ آبِ رواں
سخت مشقت کے بعد بھی کنواں
دیدۂ بے نور ہے
صرف اندھیرا ہے یاں

ملتا ہے کیا اس سے اشارہ مجھے
سخت زمیں کا کیا تھا انتخاب
یا مری کاوش میں کمی تھی کوئی
یا مرے اوزار میں
ورنہ اس جہان میں
چشمہ ہائے آبِ مصفا بھی ہیں
جن کا ہے مسکن سدا
دائرۂ ممکنات

راستے کے موڑ پر
یہ ہے مری خواب گاہ
پر درودیوار پر
رنگ نہیں کوئی بھی
میں نے یہ چاہا بسر

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

رنگ سنہرا کروں
وہ نہ مجھے مل سکا

یاں ملا نہ واں ملا
عمر ختم ہو گئی
وقت ختم ہو گیا
پس تجھے معلوم ہو تاکید سے
اس جہان میں ضرور بالضرور
یاں کہ واں
یا نہاں
رنگ سنہرا بھی ہے
اور جو نہیں ہے تو اس کو خلق کر
کیونکہ اس کی آرزو
کیونکہ اس کی جستجو
سینۂ مادر میں تھی
سینہ بہ سینہ جو تجھے سونپ دی

ختم ہوئی سیرِ دل
لوٹتے ہوئے تجھے دکھاؤں گی
ہیں یہاں
ایسی بھی کچھ جھاڑیاں
جن میں کھِلے پھول ہیں سدا بہار
روندنے والے قدم
کر نہ سکیں پائمال

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

سخت جان، بے مثال
اور عام اس قدر
ان پہ عام طور پر
پڑ نہیں پاتی نظر

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

راز

تاریک مہیب راستے پر
کب سے چلتے تھے سر جھکائے
جو ختم نہ ہو وہ تیرگی تھی
اور راہ بھی وہ جو کٹ نہ پائے
یک دم جو پلٹ کے میں نے دیکھا
تا حدِ نظر عجب سماں تھا
گنگا میں بہیں چراغ جیسے
اک نور کا کارواں رواں تھا
مبہوت کھڑی میں دیکھتی تھی
اسرار اس راہ کا عیاں تھا
تاریک اداس قافلے کا
نقشِ کفِ پا جہاں جہاں تھا
اک نور کی قوس بن گئی تھی
حیران زمیں پہ تن گئی تھی

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

حساب کتاب

چاہتے ہو کہ واپس کروں
جو بھی تم نے دیا بھولے بھٹکے کبھی

ذرا سی توجہ، کوئی مشت بھر
ایک چٹکی محبت
کوئی سات دن اور کچھ ساعتوں کے لیے
دل میں نرمی جو آئی تمھارے
وہ سب پھیر دوں؟

ارے، کتنا افلاس ہے!

اور میں؟
مجھ کو لوٹاؤ گے میں جو مانگوں کی واپس؟
انھیں تم فراموش کیسے کرو گے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

جو میں نے دیے بوسۂ لب تمھیں بے شمار
قریب آؤ اور ان کو لوٹاؤ
اور بیت جائیں برس
کبھی ختم ہو گا نہ میرا حساب
کہ اچھا نہیں ہے مرا حافظہ

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سسی

آپس میں مل کر روتے ہیں رستہ اور راہی (شاہ لطیف)

چام اُدھڑا ہے
ہر ہر پتھر
دے گا گواہی

چکراتی ہیں چاروں سمتیں
چھائی سیاہی

سَن سَن کرتے گرم بگولے
بڑھتی تنہائی

آپس میں مل کر روتے ہیں
رستہ اور راہی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

کیا کارِ لائقہ؟

پس کیا تری رضا ہے، نوشاہِ روزگار!
کیا منتظر رہیں؟
کیا اپنا کار ٹھہرا؟
کیا کارِ لائقہ ہے؟
صحرا میں رقص کرتے رہیں تا بہ کے بتا
آشفتگی میں کچھ نہ کہیں، در بدر رہیں
تیرے سنوارنے کو ترستے رہ جو ہاتھ
اب جن کا صرف اپنے گریباں پہ زور ہے
مصروف تر رہیں
ہم راندۂ زمانہ یونہی بےوقر رہیں
با چشمِ تر رہیں
اس دل کا کیا کریں کہ بہت بے قرار ہے
عمرِ دراز، اور وہی انتظار ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

کچھ دیے غم آدمی کے

(صغیر ملال کے لیے)

کچھ دیے غم آدمی کے
اور کچھ بس زندگی کے،
بے سبب آلام
جن کا کوئی بھی مقصد نہ تھا

بے خبر سفّاک پالا
جس میں پھولوں کی پرت گل جائے گی
یا رسیلے پھل میں گھُن
یا ٹوٹتا کوئی رتن
آنسوؤں کی، اے خدا!
آنسوؤں کی تیز بارش جس سے کچھ حاصل نہیں
ایک نابینا مشیت، چاک جس کا دل نہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

کیا کرے گا، اے خدا!
کیا کرے گا تُو سمجھ کر زندگی کو
بے سبب آلام کو اور آدمی کی بے بسی کو

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

حبیب جالب صاحب سے

(ایک تضمین)

شاعری کی بے شمار
اب تک نہیں بدلا وطن
جوں کی توں ہے بد قوارہ گردشِ دوراں ہنوز
اور زمانے کے وہی اطوار ناہنجار ہیں
تس پہ خوش ہونے کی لیکن آپ کو حاجت نہیں
ہم تو چھوٹے ہیں
بڑے تو آپ ہی کہلائیں گے
آپ نے کیا کر لیا قبلہ کہ ہم دکھلائیں فن
پس تو لعنت بر خزاں و بر بہاراں، "یہ چمن
یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر
اُڑ جائیں گے"

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ورلڈ بینک

بے پناہ طاقت نے
اک نظام کی تجویز
بے شمار کم زوروں
کے لیے مرتب کی
بے پناہ طاقت نے
اس پہ کتنی محنت کی!

بد شعار یہ کم زور
اس قدر نکمے ہیں
تنگ و فقر و فاقہ میں
جُفتیوں کے شائق ہیں
جیب میں نہیں کوڑی
گیت سنتے رہتے ہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

بے پناہ طاقت سے
سر ہلا کے کہتے ہیں:
"واہ، کیا لیاقت ہے!

"کس طرح رہیں ہم لوگ
بس اِنھیں مسائل کی
خاک چھانتے ہیں آپ
آرزو کریں ہم کیا
ہم سے سو گنا کیا
خوب جانتے ہیں آپ!"

بد لحاظ ناشکرے
گندگی میں بستے ہیں
بے پناہ طاقت پر
منہ چھپا کے ہنستے ہیں

یہ بھی سوچ سکتے ہیں
کون مان سکتا ہے!
ان کے دل میں کیا کچھ ہے
کون جان سکتا ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سخن ہمارے

کلام میں آنچ کیوں نہیں ہے؟

وہی تو ہم ہیں
وہی تو تم ہو
تو پھر یہ کیا ماجرا ہے یارو!
کہ سرد لفظوں کے برف زاروں میں
کارواں دل کے در بدر ہیں
وہی سخن کل جو گفتنی تھے
جو آج نا گفتنی ہوئے ہیں
گناہ ہے جن کا لب پہ لانا
(بدل گیا اس قدر زمانہ!)
مگر وہ کارندگانِ نو کی نگاہ میں معتبر نہیں ہیں
اب ان کی توقیر اُٹھ گئی ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

کلاہ پیروں میں گر گئی ہے
یہ سرنگوں کس دیار جائیں
نہ جی سکیں گے نہ مر سکیں گے
یہ اتنے زندہ ہیں، اتنے تازہ
انھیں نہ ہم دفن کر سکیں گے
جلاوطن ہیں سخن ہمارے
سخن تو پھر کوچہ گرد ٹھہرے
پہ اس کا کیا کیجیے کہ روشن ہے جس سے
ہستی کا دشتِ ویراں
وہ ماہِ کامل نہیں بدلتا
سخن کا حاصل نہیں بدلتا
وہ خلق کا دل ہو یا ہو شاعر کا دل
سو یہ دل نہیں بدلتا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اک خزانہ

اچانک راہ چلتے اک خزانہ ہاتھ آتا ہے
بہت حیران ہو جاتے ہیں ہم اور بے قرار

زمیں ششدر، سمیٹیں گے اسے کیوں کر
اسے سب سے چُھپا کر گھر میں لانا ہے
کسی تاریک تہہ خانے میں اس کو دفن کر دیں گے
ہمیشہ نصف شب کے بعد تہہ خانے میں جانا ہے
ہم اپنا آنسوؤں سے تر بتر چہرہ چھپاتے ہیں
اسے چُھوتے ہیں اپنی انگلیوں سے بار بار
مگر آتا نہیں ہے اعتبار
خزانے پاس جب جائیں
خزانے کے نہ ہونے کا زمانہ ساتھ جاتا ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

یونہی آنکھوں میں رہ رہ کر چمک اٹھتے نہیں آنسو
بہت افسردہ ہو جاتے ہیں وہ اور اشک بار
وہ جن کو خوش نصیبی سے
کسی ویران گھاٹی میں
اچانک راہ چلتے اک خزانہ ہاتھ آتا ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

فاصلوں میں خواب

بہت فاصلوں میں کوئی خواب ہے
جس کے بارے میں ہم سوچتے تک نہیں
کیوں کہ وہ خواب ہے
مگر فاصلوں میں، جہاں ندّیاں ہیں
جہاں ریگزار
جہاں گھاس کے بے کراں مرغزار
جہاں شہر در شہر آلودگی اور غبار
اُنھیں فاصلوں میں
نہ آنکھوں سے اوجھل نہ آنکھوں پہ ظاہر
کسی بوسۂ لب کی سر بستہ لذّت کی جنّت میں رہتا
مگر پھر بھی ہر لمس سے ماورا
فاصلوں میں
جہاں جانور ہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

جہاں جانور خون آشام ہیں اور معصوم ہیں
اور جو جانتے ہیں
مسرّت کا، اک دوسرے سے
بلاوجہ رغبت کا خواب
وہ اک نارسیدہ، مگر چشم دیدہ
کوئی خواب
جو ہے بہت فاصلوں میں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آدمی کی زندگی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱)

زندگی نے سانولی مٹی سے گوندھا آدمی
پھر جو دیکھا غور سے
آدمی کی جِلد کے نیچے جلا تھا اک چراغ
پُھوٹتی تھی روشنی
زندگی مبہوت ہو کر رہ گئی
محویت سے دیر تک تکتی رہی

جان جب اُس میں پڑی
آدمی نے زندگی کو پُرسکوں آنکھوں سے دیکھا
یوں اچانک آدمی کے روبرو جب آ گئی
زندگی کے دل کی دھڑکن تیز تیز
زندگی کا سُرخ چہرہ
زندگی شرما گئی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۲)

آدمی گہرے اندھیرے میں کھڑا تھا
اس کے پیچھے اک دریچہ دور تک تاروں بھرا تھا

آدمی اکتا گیا تھا
سوچتا تھا
یہ بھی کیا ہے زندگی!

جب بہت اکتا گیا
آدمی نے زندگی کو دفعتاً بوسہ دیا
پرسکوں ہونے سے پہلے زندگی حیراں ہوئی
اس کے اندر جڑ گئی پھر کوئی شے ٹوٹی ہوئی
جانے کب سے مضطرب تھی
جیسے عورت ہو کوئی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۳)

زندگی سے آدمی کی دوستی ممکن نہیں
آدمی سے اس قدر، مختلف ہے زندگی
زندگی سے وصل کرنا چاہتا ہے آدمی
آدمی گر خود کو بدلے، یا بدل دے زندگی
ختم ہو جائے گی خواہش
جانتا ہے آدمی

آدمی مصروفِ کار
ہاں کبھی جب شام کو
اُس کا دل ہو بے قرار
زندگی سے وصل کو بے اختیار
غور کرتا ہے ہزاروں سال سے
زندگی سے دوستی ممکن نہیں
صرف کر سکتا ہے پیار

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۴)

آدمی دن بھر اُداس
جا رہا تھا زندگی کے ساتھ ساتھ

رات کے پچھلے پہر
اک سمندر کے کنارے رقص گہ کے سامنے
آدمی نے زندگی کو بے خیالی سے چھُوا
جھک کے پوچھا:
"رقص کر سکتی ہو تم؟"
سر جھکا کر زندگی چپ ہو گئی
آدمی کا بجھ گیا دل سوچ کر
یہ بھی کیسی زندگی ہے، رقص کر سکتی نہیں
روشنی کے دائرے میں سخت چوبی فرش پر
رقص کرتا ہے اکیلا آدمی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

رقص گہ کی ایک سُونی میز پر
ڈوبتے دل سے کسی مشروب کو پیتے ہوئے
سر جھکائے زندگی بیٹھی رہی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۵)

زندگی نے پھول رکھے آدمی کے ہاتھ پر
آدمی خوش ہو گیا
زندگی گم ہو گئی
خواب میں چلنے لگی
اک الاؤ کی دہکتی آگ میں جلنے لگی
دوسرے دن
آدمی نے جب نہ پایا اس کو اپنے کام کا
آدمی حیراں پریشاں
زندگی خوش کیوں نہیں؟
زندگی کو کیا ہوا؟
اک صدی تک سوچ میں ڈوبا رہا
آخرش اس نے کہا:
پس کسی نازک توازن سے بنی ہے زندگی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آدمی کی بات سن کر سرد آتش ہو گئی
جلتے جلتے مسکرا دی زندگی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(٦)

آدمی نے زندگی کے ہونٹ چومے دیر تک
پھر کہا، "یہ ہے سراب!"
خود کلامی کر رہا تھا آدمی
سن رہی تھی زندگی
فاصلوں کے خواب میں، زندگی رونے لگی
نارسا تھا آدمی
زندگی بھی نارسا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۷)

آدمی خاموش اور پُراعتماد
ڈھالتا ہے کوئی کل فولاد سے

زندگی دُزدیدہ چشم
دیکھتی ہے آدمی کا انہماک
آدمی کے ہاتھ ہیں کتنے حسیں، یہ دیکھ کر
زندگی کے جسم میں ہوتی ہے اک میٹھی کسک
درد کو سینے میں بھینچے
آنکھ موندے زندگی، گھاس پر چلتی ہوئی

گاہے گاہے زندگی کو دیکھتا ہے آدمی
ذہن میں آتا ہے اک اُڑتا خیال
بن گئی گر کل نئی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ہو گیا گر کامیاب
زندگی سے لطف کے کچھ سال لے گا
کامیاب و کامران
آدمی سے زندگی کا یوں تو کچھ رشتہ نہیں
زندگی سے حظ اُٹھانے
اپنے گھر میں ڈال لے گا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۸)

آدمی نے اک عبادت گاہ توڑی، ایک جوڑی
پھر بڑی وحشت سے چیخا
زندگی اک غار میں سوئی ہوئی تھی
شور سن کر جاگ اٹھی
زندگی نے اپنی عریانی کو دیکھا
کوئی کھٹی چیز کھانا چاہتی تھی زندگی
بات کوئی بھول جانا چاہتی تھی زندگی
زندگی ایام سے، ایام اس کے دہریہ
ہر عبادت گاہ میں ممنوع جن کا داخلہ
آدمی افسوس سے، ہاتھ مَل کر رہ گیا
یہ بھی کیسی زندگی ہے نابکار
آ نہیں سکتی عبادت گاہ میں جو بار بار
زندگی ایام سے
ایام اس کے دہریہ

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۹)

آدمی نے ایک کشتی جوڑ کر
رات کے پہلے پہر اوپر اٹھائی جب نظر
تال کے پیچھے جھلکتی تھی سنہری روشنی
زندگی سے کاروباری گفتگو کرتے ہوئے
رک گیا کچھ کہتے کہتے آدمی
تال کے آبی درختوں کی جڑوں میں زندگی نے
آنکھ بھر کے آدمی پر کی نظر
اور دیکھا ایک تارا اس کے سر کی سیدھ پر
زندگی اپنے بدن کو بھول کر محوِ نظارہ
آسماں نیلم جڑا
تال سانسیں بھر رہا
اک درخشندہ ستارے کے تلے
آدمی
سوچ میں ڈوبا ہوا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

(۱۰)

آدمی نے زندگی کو فاصلوں کا خواب سمجھا
جسم جس کا اس کا دل بن گیا

زندگی نے آدمی کو خواب تک سمجھا نہیں
اس کا خاکی ہاتھ تھامے
لمس سے مسحور اس کے
عمر بھر چلتی رہی
بے کراں حیرت سے اس کو دیکھتی اور سوچتی
کون ہے؟
کس قدر تہہ دار تھی دنیا مری
کچھ سبب اور کچھ نتیجے
یہ کہاں سے آ گیا؟
کیا سبب ہے اس کا
اور کیا ہے نتیجہ؟
کچھ نہیں!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۱)

آدمی نے دیر تک جوڑا حساب
زندگی کی عمر کیا ہے؟
زندگی سے آدمی کتنا بڑا ہے؟
ہو نہ پایا کچھ بھی ثابت
زیر کر سکتا ہے اس کو یا نہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۲)

آدمی کی بات کیوں سنتی نہیں ہے زندگی؟
اس کے کہنے پر کبھی چلتی نہیں کیوں زندگی؟
اک سمندر کے کنارے
ہاتھ پر ٹھوڑی رکھے
سوچتی رہتی ہے کیا؟
زندگی خودسر ہے کیا؟
ضدی ہے کیا؟

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۳)

جب خسارے میں گیا سب کاروبارِ زندگی
آدمی اتنا اُداس!
زندگی کو پیار کر سکتا نہیں
زندگی کو اپنی باہنوں میں جکڑ سکتا نہیں
کس طرح ہوگی ترقی
آدمی سمجھا کہ ہارا
سوچتا ہے کس طرح کر لے کنارا
زندگی سے
زندگی...
آدمی کے سر کا بار
کر نہیں سکتی کوئی بھی کاروبار

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۴)

آدمی نے ایک منصوبہ بنایا ۔
زندگی سے وصل کا
راہ چلتی زندگی نے آدمی سے جب سنا
"اس صدی کے ختم ہونے تک ملیں گے ہم کہیں"
سُرخ ہو کر سر جھکائے زندگی چلتی رہی

آدمی پھر ناگہانی آفتوں میں گھر گیا
"روک لو اپنے قدم جب تک مجھے فرصت ملے"
آدمی نے زندگی سے سخت لہجے میں کہا
زندگی نے مُڑ کے دیکھا ایک بار
اشک بار
اور یونہی چلتی رہی
زندگی کارِ مشیّت کی اسیر
آفتوں کے ختم ہونے تک ٹھہر سکتی نہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۵)

آدمی اک شہر میں تھا
زندگی بھی تھی وہیں
آدمی نے زندگی کا دور تک پیچھا کیا
آخرش اک موڑ پر
آدمی نے زندگی کو جا لیا
شرم کے مہکے پسینے میں نہائی زندگی

آدمی آلوں سے لیس
زندگی کے جسم سے لے کر مسامِ زندگی
غور سے تکنے لگا
سوچتا تھا مجھ سے پوشیدہ رکھے گی کب تلک
اس کے سارے بھید آخر جان لوں گا
زندگی سے پُر مسرت اور... شاید تا ابد
وصل کی ترکیب کو پہچان لوں گا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۶)

شہر کی آتش زنی میں زندگی!
آدمی اس کو بچا کر پُر سکوں گلیوں میں لایا
سہ پہر کاٹی وہیں
زندگی اتنی ہراساں، زندگی کا رنگ فق!
اور نازک، اور پیاری ہو گئی تھی زندگی

شہر پر اُتری جو شام، نیل میں ڈوبی ہوئی
اس نے دیکھا پھر رہے ہیں زندگی اور آدمی
جس طرح نکلے ہوں دونوں سیر کو،
جیسے چھٹی کا ہو دن
دیکھتے ہوں جیسے پہلی بار اپنے شہر کو

جل گئی تھیں بتیاں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آسماں کا نیل جب، اور بھی گہرا ہوا
اک عمارت کے تلے
آدمی نے زندگی کے رُخ کو دیکھا غور سے
نرم پیلی روشنی میں تھے عیاں
سارے تیکھے زاویے اور نرم خو گولائیاں
خوب صورت تھی عمارت، خوب رُو تھی زندگی
شہر کی جلتی بسوں پر آدمی کا بس نہ تھا
آہ، پر قربت کی آنچ!
مشتعل انبوہ سے نظریں بچا
آدمی نے زندگی کا ایک بوسہ لے لیا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱۷)

اس قدر جب تھی کشش
اس قدر جب پیار تھا
زندگی سے آدمی پھر ہو گیا کیوں کر جدا؟
آدمی کیا کھو گیا تھا اپنی دنیا میں کہیں
توڑ کر دل زندگی کا اس سے کیوں کہنے لگا
"بزم ہے میری سجی
اک نہ ہونے سے ترے اس میں نہیں کوئی کمی
زندگی اس سے خفا ہو کر اٹھی اور چل پڑی
یہ گماں تھا زندگی کو
آدمی اس کو منا لے
روک لے، پھر اپنے پہلو میں بٹھا لے
آدمی نے اس دفعہ لیکن اُسے روکا نہیں
کون جانے دور اُفق پر کیا دیا اس کو دکھائی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آدمی کی بزم میں پھر زندگی واپس نہ آئی
آدمی اور زندگی کی ہو گئی آخر جدائی

بات ہے اتنی پرانی
یاد ہے سب کو زبانی
وقت پر لیکن یقیں آتا نہیں
ابتدا ہوتی ہے جس کی
انتہا ہوتی ہے آخر
ختم ہو جاتی ہے ہر شے
جس کا ہو آغاز کوئی
اس زمیں پر
اس زمیں کا بھی کوئی انجام ہو گا
جل بجھے گا اک ستارہ
اک ستارہ، پارہ پارہ
اور تب تک
زندگی ہے اب وہیں
پہلے جہاں تھی
جب نہیں تھا آدمی
پھر وہی نیلا افق، بادل وہی
اور پرندے
اور شفق
اور پھر منظر وہی
دیکھتی ہے محویت سے زندگی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

آدمی جانے کہاں ہے
زندگی اُس سے نہاں ہے
آہ لیکن بھول پائے گی نہیں
آدمی اس سے ملا تھا
جیسے کوئی معجزہ تھا
بادلوں میں بجلیاں کوندیں گی جب
یاد آجائے گا اُس کو آدمی
اپنی بانہوں میں دبا کر اپنا سینہ
بھینچ لے گی درد دل میں
تیز بارش میں نہاتی زندگی
اور ہوا اور برگ و بار
سنسناتے کوہسار
جھیل کے پانی میں منہ ڈالے ہرن
دُہرائیں گے
دُہرائے گی ساری خدائی
آدمی کی زندگی سے ہو گئی آخر جدائی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

کمل

غلط جگہ پر کِھل جاتا ہے
پھول کمل کا
گزر رہے ہیں گزرنے والے
کوئی اس پر نظر نہ ڈالے
ہم سب پیسہ بنا رہے ہیں
کوئی بھاری
کوئی ہلکا
لیکن اس سے فرق پڑا کیا
کِھلا ہوا ہے
پھول کمل کا
راجہ جل کا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

بارش میں

بارش میں سوچتا ہے شاعر
جن بوندوں میں فقط صدا ہے
بجتی تھیں جوں ستار پہلے
سینے میں جہاں فسردگی ہے
تھا دل کا وہیں دیار پہلے
وہ دل جو بچھڑ کے کھو گیا ہے
جو خاک میں دفن ہو گیا ہے

جس سمت نظر اٹھا کے دیکھیں
پامال زمین پر پڑے ہیں
قدروں کے ایاغ ریزہ ریزہ
انسان کے خواب ریزہ ریزہ
ہر کاخ و مکاں سے ہے ہویدا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

آدم کا وہ خوفناک چہرہ
بشرے سے ٹپک رہی ہے وحشت
آنکھوں میں سلگ رہا ہے صحرا
اس کی مُردہ رگوں میں رقصاں
بس خواہشِ کسبِ مال و زر ہے
عریاں اس طور سے بشر ہے
معدوم تمیزِ خیر و شر ہے
کل تک جو شعار تھا کسُو کا
اب سب کا وہ حال ہو گیا ہے
جن پر مجرم خفیف ہوتے
سب کارِ حلال ہو گیا ہے
باقی ہیں بے چراغ و کافور
تہذیب کی حسرتوں کے مدفن
بے راہ روی کی آندھیوں میں
مٹ جائیں گے یہ مزار اک دن

اک بھیگے شانچے پہ کونپل
سن کر بارش میں مسکرائی
اور اس نے یہ خبر سنائی
آجاتی ہے بہار اک دن
امروز کا یہ غبار مت دیکھ
یہ روز شکست و ریخت کا ہے
روپوش سہی نہادِ فردا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اک دور جنم لے کے گر رہا ہے
ملبہ چاروں طرف پڑا ہے
اس ملبے سے طلوع ہوں گے
خورشید بکف سوار اک دن
اقدار ہیں شرطِ آدمیّت
انسان دیکھے گا خواب اک دن
بچھڑا دل تجھ سے آ ملے گا
جیسے لپکا گھٹا میں کوندا
جیسے برسی گھٹا گرج کر
بارش میں سوچتا ہے شاعر

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سمندر کے لیے تین نظمیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱)

ہوا ہے بند، سمندر ہے اور کالی رات
کوئی ستارہ فلک پر نظر نہیں آتا
امڈ امڈ کے گھٹا چھا رہی ہے پانی پر
اٹھائے بوجھ جھکی آ رہی ہے پانی پر
بلا رہا ہے کوئی ہاتھ جیسے کاسۂ آب
عجب طرح مرے سینے میں دل ہوا بے تاب

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۲)

یہ سمندر اور شب کی تیرگی
سانس روکے ہے ہوا
ساحل سرکتا جا رہا ہے
دور اک مینار میں جلتی ہے مدھم روشنی
دھیرے دھیرے ٹمٹما کر الوداع کہتی ہوئی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۳)

سمندر:

اب اس کے آگے پانی ہے
بس پانی ہے
اور تم کس تختے سے لپٹی
بہتی جاتی ہو؟ یہ تو کہو

عورت:

کیا جانے کیسے ہاتھ لگا
اک ڈوبی کشتی کا تختہ
جیسے اک یاد شجر کی ہے
پیوست ہیں جس کے سینے میں
سورج کی گرمائی کرنیں
مٹی، پانی اور ہوا لیے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

اور بارہ ماس کی آگ لیے
میری بانہوں کے حلقے میں
جیون کی انت کہانی ہے

یہ سن کے سمندر ہنسنے لگا
پھر دیکھ کے چار طرف بولا:
کیا جھاگ اڑاتی لہریں ہیں
پُرشور ہوا کے جھکڑ ہیں
اس تیز کٹیلے دھارے میں
جیسے اک نئی روانی ہے
اور اِس عورت کو دیکھو تو
گھر سے کا جسے کچھ ہوش نہیں
دنیا سے چُرا کر لے آئی
کیا میٹھا پھل، کیا شاخ ہری
لے اب تُو مجھ میں آن سما
لپٹی ہوئی اپنے تختے سے
مانی نہ کسی کی جب تُو نے
پھر یوں ہی سہی
او بھاگ بھری!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ناقابلِ یقین

(نیند کی گولی سے بات چیت)

ناقابلِ یقین مرا انتظار ہے
ہے دل کو یہ یقین
گزرے گا جب یہ پل
گزریں گے ماہ و سال
گزرے گا جب کہ وقت کا اک عرصۂ طویل
اک رات کھا کے نیند کی گولی جو سوؤں گی
جاگوں گی تازہ دَم
اٹھوں گی شاد کام
پَر پھوٹ آئیں گے مرے شانوں پہ صبح دَم
ہو جائے گا سفر کا مرے سارا اہتمام
بچوں کے منہ کو چوم کے اور کہہ کے الوداع
لہرا کے اپنے پنکھ اڑوں گی فلک کی سمت
اور چیرتی ہی جاؤں گی نیلی فضاؤں کو

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اس رہ میں سامنے مرے آئے گا اک مقام
کرنا پڑے گا جس پہ مجھے چند دن قیام
ہر درد و غم کے نام پہ ماروں گی کنکری
زلفیں مری تراشنے آئے گی اک پری
صندل ملے گی جسم پہ مجھ کو سجائے گی
لے جائے گی لباس مرا، چھوڑ جائے
پھولوں سے بھی سبک فقط اک چمپئی ردا
پھر قصد میں کروں گی اُجالوں کی سمت کا

اک نقرئی سحاب پہ جا کر ٹکیں گے پاؤں
ہو گا نہ کوئی اور وہاں بس مرے سوا
آئے گا ایک دن مرے ہم سر کا واں پیام
تاریخ، روز، وقت، کہ کب آ رہا ہے وہ
آئے گی ایک روز سواری اُسے لیے
ڈھونڈے گا جب مجھے
مل جاؤں گی کہیں
پانی کے اک ستون کے پیچھے کھڑی ہوئی
اک دوسرے کو دیکھتے رہ جائیں گے وہیں
خاموش اشک ساری کہانی سنائیں گے
مدت گزر گئی، نہ نظر ہے نہ ہے کلام
ایسی فسردہ زیست تصور میں بھی نہ تھی
بیگانہ وار سامنے پھرتے ہو رات دن

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

کیسے یقین آئے وہی تم ہوئیں وہی
دن ڈوبتے چلے گئے راتیں سحر ہوئیں
جانے بلا یہ آپ کی جیتی ہوں یا نہیں
کیا بے بہا متاع
افسوس کن جھمیلوں پہ قربان ہو گئی

لے لو گی بڑھ کے رختِ سفر اُس کے ہاتھ سے
مہماں بنا کے پھر میں اُسے گھر میں لاؤں گی
دو پہر کٹ گئے تو اُسے دوں گی ایک پھول
آرام کر چکے گا تو ہونے لگے گی شام
پھر اپنے ہاتھ سے وہ مجھے دے گا ایک جام
صندوقچہ جو کھولے گا، پھوٹے گی روشنی
سخت و درشت ہاتھ میں لے لے گا میرا ہاتھ
پہنائے گا کلائی میں حلقے شہاب کے
اک بے قرار سُرخ ستارے کو بینھ کر
ننھی سی کیل ناک میں پہنائے گا مری
صندوقچے کی تہہ سے نکالے گا اوڑھنی
پھولوں کے ہر سنگھار سے یکسر رنگی ہوئی
کوری ردا بٹا کے سجا دے گا جسم پر
بادل پہ، عطرِ گُل سے گمکتی ہوئی چُنر
بالوں میں پھر چنبیلی کا گجرا سجائے گا
خوشبو کا پان ہاتھ سے اپنے کھلائے گا
مستی میں پھر کرے گا مرے چار سُو طواف

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اور کائنات دھیرے سے کچھ گنگنائے گی
تب دن ڈھلے گا
اور شبِ وصل آئے گی

بس اس خیال سے،
برسوں گزر گئے،
اس قلبِ ناصبور کو اتنا قرار ہے
ویسے تو کیا خبر
دیکھیں تو کس قدر
ناقابلِ یقین مرا انتظار ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

زلیخا کا خواب

جب شبِ زفاف کا امکاں ہوا
اس قدر روئی زلیخا
اس کے تن سے دُھل گئے پیرانہ سالی کے نشاں

پایۂ عرشِ بریں کو تھام کر
گڑگڑاتی تھی زلیخا رات بھر
یا خدا!
ایسی لذّت خیز سرشاری کی قوّت کر عطا
دوسری جا پر نہ جائے یہ جواں...

دفعتاً پلٹے فرازِ کوہ سے ناقہ سوار
ابرو برق ورعد کے دُرّوں کو لہراتے ہوے
مشک و عنبر، سیم وزر، دینار و درہم سے لدے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

شورِ گریہ جب تھما
آئنہ تھا چشمِ حیراں
مانگ، چوٹی، بانکپن!
بن گئی تھی اک عروسِ نوشگفتہ، پیرزن
تھے فرشتے ورطۂ حیرت میں غرق
مستجاب اس کی دعا کیوں کر ہوئی اے کِردگار!

سینۂ یزداں میں تھی کب سے کسک
ہم نے تیرا درد دیکھا
اور دیکھا انتظار
بعد مدّت آج تیرے بسترِ بےخواب سے
اے زلیخا! آ رہی تھی تیرے یوسف کی مہک

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ایک بوسہ شعلۂ لرزاں پہ ثبت

دیکھتی ہوں لرزتی ہوئی زندگی
شمع بجھتی ہوئی
تیز چلتی ہوا
اپنے ہاتھوں کا پیالہ بناتی ہوں میں
چمتی ہیں مری انگلیاں روشنی

آنسوؤں کے سوا
میرے بس میں ہے کیا
ہاں بدن کی یہ گرمی تری نذر ہے
اس لرزتی ہوئی زندگی کے لیے
شمع بجھ جائے گی
شمع جب تک بجھے
اس کے ہونٹوں کو بھی یاد رہ جائے گا
تھرتھراتی ہوئی لو پہ بوسہ مرا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

لوری

ٹوٹے غم والم کے پہاڑ اس پہ اس طرح
اک آدمی خدا سے ناراض ہو گیا
معصوم کے جلجل پہ، بے کس کے قہر پر
آنسو نہیں بہائے فرشتوں نے عرش پر
لرزی نہیں زمین، فلک شق نہیں ہوا
سارے چمن میں گھاس کی پتی نہیں ہلی
کچھ بھی نہیں ہوا
لیکن کسی کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے

اے آدمی، یہ دیکھ دھڑکتا ہے کوئی دل
بھیگیں کسی کی آنکھیں، لرزے کسی کے ہونٹ
اے آدمی، یہ دیکھ بڑھایا کسی نے ہاتھ
یہ ہاتھ تھام لے
اک شخص تیرے درد سے کتنا اداس ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

قوت و مال و زر ہی فقط تیرا سکھ نہیں
کچھ یاد کر کہ سکھ کا اک اَور روپ بھی
دل کی ترے خوشی تو کسی اَور دل میں ہے
مل جائے گی تجھے بھی جو لگ جائے گا گلے

تیرے لیے سجا ہے فلک ماہتاب سے
تارے دمک رہے ہیں
ٹھنڈی چلی ہوا
سب کچھ ترے لیے
اور تھوڑی دیر میں
تیری بجھی ہوئی
آنکھوں میں آ براجے گی پھر نیند کی پری
مانندِ طفل گود میں تجھ کو جھلائے گی
شب بھر کرے گی تیرے غم و درد کی دوا
بیدار پھر کرے گی نئے روز کی صبا

اور میرے شعر پڑھ کہ یہ بہلائیں گے تجھے
اک شوخ ہاتھ بن کے تجھے گدگدائیں گے
تو ہنس پڑے گا پھر
اور چل پڑے گی راہ
اتنا الم بھی
تو کس لیے خدا سے ناراض ہو گیا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

زوجین

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۱)

یہ رَوح ترا گھر تھی
تو نے جو نظر پھیری
اک گنبدِ بے در تھی

گنبد میں اندھیرا ہے
اندر کی دراڑوں میں
ناگوں کا بسیرا ہے

اِس کاسۂ سر سے گر
تم کان لگاؤ گے
ہنگامہ وہ برپا ہے
کچھ بھید نہ پاؤ گے

ٹکراتا ہے سر کوئی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ہنستا ہے ادھر کوئی
اک طفل کا آوازہ
بے سوز کوئی باجا
تھرائی اذاں پیہم
آوازِ سگاں پیہم
جھرنا سا رواں پیہم

جھرنے کی روانی میں
اک زوج نہاتی ہے
ہر چاند کا خوں مل کر
تن اپنا سجاتی ہے
جب جوش میں آتی ہے
گنبد میں بلاتی ہے

گنبد تو مگر بے در
جائے نہ صدا باہر
آتے ہو ادھر ڈر کر
کیا یہ تھا تمہارا گھر

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۲)

نیند کے سرمئی دھندلکوں میں
ڈوب جاتے ہیں رُوٹھتے مَنتے

کسی دریا میں کوئی ساکت ناؤ
جسم و جاں کا رکا رکا سا بہاؤ

وہی مقسوم بسترِ زوجین
ایک پہلو میں پھول ایک میں گھاؤ

جب ہے اک خواب زندگی ساری
تیری بے مہریاں بھی ہوں گی خواب
فرش پر گر گیا بہی کھاتہ
درج تھا جس میں زندگی کا حساب

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

بے خیالی میں تھامتی ہوں ہاتھ
سوتے سوتے خیال آتا ہے
رات ہے اور ساتھ ہے تیرا
تا بہ کے اس کی میں کروں تکذیب

پس تو پھر شکرِ ربِ ارض و سما
حکم سے جس کے ابر اٹھتا ہے
شکر اس روز کا عطا جو ہوا
اور اس رات کا جو آئی ہے
تجھ کو لے کر گھٹا کی بانہوں میں
سرمئی نیند کی پناہوں میں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۳)

باراں کی شب کھوتے رہے
ہم تن بہ تن، ہم رو بہ رو
برسات میں سوتے رہے

جیسے رواں تھا قافلہ
بیداریوں کی ریگ پر، بے گانگی کے خواب کا

جب کسمسائی تھی زمیں
جب سنسنائی تھی ہوا
جب شور بارش کا بڑھا
عریاں عناصر میں گھرے
جاں سینچتی بوچھاڑ میں
ہم خشک جاں، ہم خشک تن
شکووں بھرے دو مرد و زن

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

تھامے تذبذب کی رِدا
کر کے بہانہ نیند کا
اک خواب میں روتے رہے
برسات میں سوتے رہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۴)

مرے مرد نے رات اک خواب دیکھا
عجب دہشت آسا
کہ وہ جاگ کر دم بخود رہ گیا
خشک اور گرم سانسوں کو گِنتا رہا
پیاس اپنی دبائے
یہاں تک کہ اس کے بدن کے تناؤ نے مجھ کو جگایا

کہ میں جاگ کر دم بخود رہ گئی
خشک اور گرم سانسوں کو گِنتی رہی
اس کے خوابوں کا آسیب دل میں سمائے
یہاں تک کہ میرے بدن کے تناؤ نے اس کو جگایا

سو پھر ہم اٹھے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اور اندھیرے میں بچوں کے تن کو ٹٹولا
اور اک کوزہ بھر آب آپس میں بانٹا
ابھی رات کے کچھ پہر بچ رہے تھے
سو پھر اس کی پسلی میں داخل ہوئی میں
گزرتا ہوا سُرخ سیلاب دیکھا
مرے مرد نے رات اک خواب دیکھا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۵)

جب تو نہ پُتلی میں رہا
میری طرف بڑھنے لگا
آئینہ رُو دیوانہ پن

اک اک قدم، دو دو قدم
آئینہ رُو دیوانہ پن

خندِ فحش لب پر لیے
مذموم اشارے بھاؤ میں
اور عقب میں غولِ سگاں

بے داغ تھی چادر مری
اور اس کے پیڑو پر بندھی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

میرے بدن کی دھجیاں

اب کیا کروں، پیچھے ہٹوں
آگے بڑھوں، اس سے ملوں

اب کیوں مجھے آواز دو
اب ہم کہاں اور تم کہاں
جس سمت اٹھی ہے نظر
آئینہ خانہ ہے جہاں
آئینہ رُو دیوانہ پن

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

(۶)

ساجن ہم تو کرُتا تمہار

دیہہ تمہاری چبھن سے بیکل
کانٹا کانٹا تھا ہر تار

ہم تری دیہہ چبھن کیا جانیں
کھینچ کے تم نہ لیہو اُتار

نیر ڈبو کر دھر دھر پٹکا
نکلا کتنا میل غبار

تھرے بھی پھوٹے ہاتھ کے چھالے
ترچھی دھار لہو گلکار

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سُونے گھاٹ کے سناٹے میں
ملی چیخ سے چیخ پکار

میں اُجلی میں نرم ملائم
ستر تری ڈھانکوں سو بار

ناں تم عریاں ناں ہم عریاں
دونوں دیکھیں جلوۂ یار

دو دو نین موند کر دونوں
ایک ہی آنکھ کریں بیدار

جو بیتی ہے اس تن من پر
کہوں تو کون کرے اِتبار

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

کوتوال بیٹھا ہے (۲)

کل جو ایک لڑکے نے
بڑھ کے یہ کہا مجھ سے
آرزو ہے مدّت سے
نظم پھر سنا دیجے
"کوتوال بیٹھا ہے"
کیا جواب دوں اس کو؟

صرف ایک لمحے میں
کیا گزر گئی دل پر
میں نے مڑ کے دیکھا تھا
اک بسیط ویرانہ
گرم لُو کا زناٹا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

راکھ تھی کہ کرچیں تھیں
وہ جو میری آنکھوں سے
بار بار ٹکرائیں

خشک اشک آنکھوں میں
راکھ میں دبے انگار
گونجتی تھی کانوں میں
اک شکست کی جھنکار
صرف ایک لمحے میں
پھر گئی نگاہوں میں
ماہ و سال کی گردش
بیس سال یا صدیاں
جن کی منتظر روحیں
خاک اڑاتی پھرتی ہیں
اپنے دل کے صحرا میں

کوئی چیز ٹوٹی تھی
کوئی شے سلگتی تھی

کیا تھا وہ؟ نہ جانے کیا!
تھا فریب خواہش کا
یا نظر کا دھوکا تھا
اپنی سادہ لوحی پر

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

پیار اب نہیں آتا

اس کو کیا خبر ہو گی
اور ہمیں خبر کب تھی
راستے میں پڑتے ہیں
موڑ بادشاہی کے
ہیچ تختِ شاہی کے
جن پہ بیٹھنے والے
خلق کی مرادوں کے
خوں سے غسل کرتے ہیں
جو ثبوت مانگیں گے
ہم سے بے گناہی کے
کیا ثبوت تھے اب تو
یاد تک نہیں آتے
بے ثبات تھے کتنے
اور اس قدر کم زور
ان پہ طفلِ ناداں بھی
کس طرح یقیں کر لے
چھپ کے روتے رہتے ہیں
جانے کن گپھاؤں میں

اس کو کیا خبر ہو گی
ہم بدل چکے ہیں اب

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

کوتوال آئے تو
چشم و دل میں جا دیں گے
راستے کے سارے پھول
راہ میں بچھا دیں گے

اپنے دل کی تلخی سے
خود کلام کیا کرتی
صرف یہ کہا ہنس کر

اتنے نو دمیدہ ہو
تم کو کیا سناؤں شعر
جب لکھی تھیں یہ سطریں
کوتوال بیٹھا تھا
عمر کٹ گئی اپنی
کوتوال بیٹھا ہے

اس کو کیا خبر لیکن
اشتیاق سے بیٹھا
تک رہا تھا وہ مجھ کو
مسکرا پڑی آخر
دل میں یہ خیال آیا
کون جان پایا ہے
رمز زندگانی کا

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

راز تشنہ کامی کا
راز اُس جنوں کا جو
لے چلے خرابوں میں
ساری عمر کا حاصل
شاید ایک لمحہ ہے
لوگ اٹھتے جائیں پر
جاوداں سجی ہے بزم
میں نے پھر سنا دی نظم
"کوتوال بیٹھا ہے
کیا بیان دیں اس کو..."

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

حاشیہ

کبھی تم نے سوچا
کرو ذکر جب اپنی قدروں کا
اور اپنے "مشرق کے اخلاق" کی رفعتوں کا
جہاں سے نظر تم کو آتا رہا ہے
تمدّن پرایا نہایت حقیر
کرو جب رقم زر فشاں داستاں
اپنے اعلیٰ رواجوں کے اوصاف کی
تو اک حاشیہ اس میں تاریک چھوڑو
کہ لپٹی ہوئی ہیں وہاں باحیا مشرقی عورتیں
جن کو چشمِ فلک نے نہ دیکھا کبھی
وہاں درج ہے ان کے جسموں پہ خود ان کے ہاتھوں سے
ان کی حیا کی کہانی
تسلسل سے اب تک لکھی جا رہی ہے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

بہت قابلِ رحم یہ داستاں
ہے تمہارے تمدّن کا وہ حاشیہ
کہ اوجھل رہا سب کی نظروں سے اب تک
اب اتنا بتا دو
کہ تم اس سے نظریں چُراؤ گے کب تک؟

○

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

آواگون

اس سفر سے تھک کر میں
دیکھتی ہوں جب مڑ کر
تب دکھائی دیتا ہے
اک ہجوم سڑکوں پر
ہے رواں ازل سے جو
ٹوٹتا دکانوں پر
روندتا ہوا اُن کو
اس میں جو بھی ہیں کم زور

جیسا اپنے بچپن میں
میں نے اس کو دیکھا تھا
وہ ہی سارا منظر ہے
اور اُسی طرح اس میں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

چند لوگ ایسے ہیں
دیکھتے ہیں جو دُکھ سے
حرص و آز کی دنیا
اور اُسی طرح ان کو
ہے یقین اک دن وہ
زندگی بدل دیں گے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

انقلابی عورت

رن بھومی میں لڑتے لڑتے بیتے کتنے سال
اک دن جل میں جھانکا دیکھی چٹّے ہو گئے بال
پاپڑ جیسی ہو گئیں ہڈّیاں، ہلنے لگے ہیں دانت
جگہ جگہ جھرّیوں سے بھر گئی سارے تن کی کھال

دیکھ کے اپنا حال ہوا پھر اُس کو بہت ملال
ارے میں بُڑھیا ہو جاؤں گی، آیا نہ تھا خیال!
اس نے سوچا
گر پھر سے مل جائے جوانی
جس کو لکھتے ہیں دیوانی
اور مستانی
(جس میں اُس نے انقلاب لانے کی ٹھانی)
وہی جوانی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اب کی بار نہیں دوں گی کوئی قربانی
بس لاحول پڑھوں گی اور نہیں دوں گی کوئی قربانی

دل نے کہا
کس سوچ میں ہے، اے پاگل بڑھیا
کہاں جوانی!
یعنی اس کو گزرے اب تک کافی عرصہ بیت چکا ہے
یہ خیال بھی دیر سے آیا
بس اب گھر جا

بڑھیا نے کب اس کی مانی
(حالانکہ اب وہ ہے نانی)
پھر اک نئی جنگ جوتنے چل نکلی وہ
(ظاہر ہے، اب اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی)
آسمان پر لیکن تارے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے
رات کے پنچھی بول رہے تھے
اور کہتے تھے
یہ شاید اس کی عادت ہے
یا شاید اس کی فطرت ہے!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

سبب

آ گئی شامِ غم
آ گئی
پھر بتانے سے کیا فائدہ
ہو گیا دل کا خوں
ہو گیا
سچ ہے یہ
پھر فسانہ بنانے سے کیا فائدہ

کھو گئے ہم سفر
سب گئے اپنے گھر
راہ چلتوں کو اب راہ میں روک کر
یہ کہانی سنانے سے کیا فائدہ

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

مر گئی کوئی شے
دفن کر کے اُسے
چل پڑی راہ پر
صرف میری تھی یہ
جیسے ہو یہ نہایت اہم اک خبر
ایسے سُرخی لگانے سے کیا فائدہ
چوک میں شور اُٹھانے سے کیا فائدہ
اک تماشا بنانے سے کیا فائدہ

جن کی آنکھوں میں زندہ ہو اک خواب بھی
ایسے لوگوں کی بستی میں رہتی نہیں
بس یہی ہے سبب
جان لیں آپ سب
ایک مدّت سے کیوں شعر کہتی نہیں

کس لیے ہوں کسی کی سماعت پہ بار
روح نے کر لیا ہے سکوت اختیار

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

فروغ فرخ زاد سے

آج اس مقام پر
دن کے اختتام پر
سوچتی ہوں کوئی ہے اگر کہیں
ہے کہیں...
(آہ کیسی گونج اس "کہیں" میں ہے!
جیسے آرزو سے "ہاں" کی ہوک ہر "نہیں" میں ہے)
ہے اگر کہیں کوئی
مختلف ہے سب تصورات سے
مقتدر نہیں کسی بھی شے پہ وہ
علت و سبب سے، قوت و تعد سے ماورا
شاید ایک عشق ہے
سر بہ سر جمال ہے
شاید ایک حال ہے دلوں میں جو گزر کرے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

شاید ایک سیلِ اشک
جو تری کتاب پڑھ کے ہو گیا
میری آنکھ سے رواں

آج اس مقام پر
دن کے اختتام پر
حسن و خیر و شعر سب
آنسوؤں میں ڈھل گئے
جن کا بحرِ بے کراں آدمی کے دل میں ہے
چھائے جس پہ خوابِ زیست
آفتاب
اور سحاب

سوچتی ہوں کتنے روز تجھ سے ہم کلام تھی
بند تیرے ساتھ اک مکان میں
تُو اسیر عاشقانِ پُر غرور
اور میں تری اسیر
تیری آرزو و ہجر و وصل میں شریک تھی
کس نے دے دیا تھا تجھ کو میرے دل پہ اختیار
ایک مادۂ حسین و گرم دل
سحر کر دیا تھا مجھ پہ کس طرح

الوداع!

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

اب نہ مجھ کو یاد آ
اب نہ میرے ساتھ چل
میں ہوں اور مرا سفر
میرے سنگ وخشت ہیں
میرے پاؤں کے تلے
یہ نہیں ہے یہ نہیں فروغ تیری رہ گزر
تجھ کو کھا گئی زمیں
آسماں نگل گیا
سوچتی ہوں ہے کوئی
اگر کہیں
گونج اس "کہیں" میں ہے
جیسے سُن رہی ہے تُو
سن رہی ہے یا نہیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

نینا عزیز

آہ دہشت بھرے سبزہ زاروں کا یہ شہر
سہمی ہوئی عورتوں کی رگوں میں پگھلتا ہوا
کس طرح دم بخود ہے
کہ اس کے کسی کنج میں
اک جواں سال عورت کا سر اس کے تن سے بُریدہ پڑا ہے

بھیانک اساطیر سے بڑھ کے وحشت زدہ یہ گھڑی
دفن کرنا پڑا جس میں بے سر بدن
جنازے پہ،
بے سر جنازے پہ آ کر
نہیں رو سکیں خوف سے عورتیں
گھٹ گئیں ان کی چیخیں گرفتہ گلوں میں
وہ پڑھتی رہیں پھیلتی پُتلیوں سے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

جو لکھی گئیں روزناموں میں خبریں
اشاروں میں یہ کہہ رہی تھیں
کہ وہ اک زنِ بے رِدا تھی
جو اس زن پہ بیتی
درندہ صفت اک جنونی کے ڈھائے ستم کی
نہ تھی آخری انتہا
بلکہ خود اس کے اعمال کی اک سزا تھی
وہ مغرب زدہ تھی

(ایسے "مشرق زدہ" شہر میں
جس کے حکام مغرب کے ادنیٰ ملازم کے قدموں میں
سر رکھ سکیں تو بڑے فخر کی بات ہے
نسل در نسل چرچے یہ ہوتے رہیں گے
سجی ہو گی تصویر دیوار پر)

ہاں مگر وہ تو عورت تھی
اس کے لیے
کہا جا رہا ہے
بہت خوب صورت تھی
آزاد رو تھی
بہت کامیاب
کئی صاحبانِ حشم اس سے شہوت زدہ اور ناراض تھے
کیا یہی ہے سبب؟

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

ایک حرفِ ملامت نہ آیا کسی لب پہ
قانون کے پاسباں چپ رہے
حکمراں چپ رہے
جب کہا قاتلوں نے
"بہت کانپتا تھا بدن اُس کا جب ہم نے آری چلائی
کٹا نصف حلقوم تو زخرے سے کچھ آواز آئی"

مگر آہ، اس میں نئی بات کیا ہے!
وہ عورت تھی ہم جنس سب عورتوں کی
سدا جس پہ چابک برستے رہے ہیں
جو ہر دور میں سر بُریدہ مسانوں میں لائی گئی ہے
کبھی بھینٹ بن کر ستی کی چِتا پر چڑھائی گئی ہے
کبھی "ساحرہ" کا لقب دے کے زندہ جلائی گئی ہے
یہ عورت کا تن ہے
قبیلوں کی نسلیں بڑھانے کا آلہ ہے
اُن کی حمیّت کی بس اک علامت
جو چاہو تو تم اس علامت کو روندو
اسے مسخ کردو
اسے دفن کردو

وہ عورت کا سر
آہ، وہ لاپتا سر
ہے اک گیند چوگان کی

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

کتب خانہ پیپربیک سیریز

آٹھ کتابوں پر مشتمل پہلا سیٹ

لالٹین اور دوسری کہانیاں
محمد خالد اختر
قیمت: ۱۱۰ روپے

طاؤس چمن کی مینا
نیر مسعود
کہانیاں
قیمت: ۹۰ روپے

شہنشاہ
ریشارد کاپو شنسکی
پولش ادیب اور صحافی کے قلم سے
ایرانی شاہی اور انقلاب کی کہانی
قیمت: ۶۵ روپے

غصے کی نئی فصل
اسد محمد خاں
کہانیاں
قیمت: ۹۰ روپے

بوف کور
صادق ہدایت
معروف فارسی ناول کا ترجمہ
قیمت: ۴۰ روپے

سوئی بھوک
حسن منظر
کہانیاں
قیمت: ۹۰ روپے

رات
سعید الدین
نظمیں
قیمت: ۵۰ روپے

جواب دوست
نسیم انصاری
ایک نامور ہندوستانی مسلمان کی یادداشتیں
قیمت: ۶۵ روپے

پورے سیٹ کی قیمت: ۴۰۰ روپے

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

میرا جی

مشرق و مغرب کے نغمے

(زیرِ طبع)

***

کبیر

کبیر بانی

(زیرِ طبع)

***

میرا بائی

پریم وانی

(زیرِ طبع)

آج کی کتابیں

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93

Mahar Online Composing Center Chishtian (Mahar. M. Mazhar Kathia) 03037619693

فہمیدہ ریاض

آدمی کی زندگی

فہمیدہ ریاض معاصر اردو شاعری کی اہم ترین شخصیات میں شامل ہیں۔ وہ ۱۹۴۶ میں میرٹھ، اتر پردیش، میں پیدا ہوئیں اور حیدر آباد، سندھ، میں پرورش اور تعلیم پائی۔ انھوں نے شاعری کا آغاز ۱۹۶۰ کی دہائی میں کیا۔ اب تک ان کی شاعری کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں "پتھر کی زبان"، "بدن دریدہ"، "دھوپ"، "کیا تم پورا چاند نہ دیکھو گے" اور "اپنا جرم ثابت ہے" شامل ہیں۔ "آدمی کی زندگی" ان کی پچھلے دس برس کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ فہمیدہ ریاض کی طویل نثری تحریروں "زندہ بہار"، "گوداوری" اور "کراچی" اور متعدد کہانیوں نے انھیں اردو کے نثری ادب میں بھی ایک نمایاں مقام دلایا ہے۔ انھوں نے فروغ فرخ زاد کی نظموں کا فارسی سے براہ راست ترجمہ کیا۔ ان ترجموں کا مجموعہ "کھلے دریچے سے" ۱۹۹۹ میں شائع ہوا۔ ان کا کیا ہوا نوبیل انعام یافتہ مصری ادیب نجیب محفوظ کے ناول کا ترجمہ "شادیانے" کے عنوان سے "آج"، کراچی، میں قسط وار شائع ہوا اور کتاب کی صورت میں کتب خانہ سیریز میں شائع ہونے والا ہے۔

Cover painting: Now leave the room open
by Quddus Mirza

کتب خانہ
پیپر بیک سیریز

ISBN 969-8379-10-X
Rs. 70

Contact for M.Phill & Ph.D Thesis Writing and Composing 0303-761-96-93